پاکستان کے دینی مدارس اور بیرونی ممالک کے طلبہ

مولانا ابوالزاہر صاحب

علمائے متقدمین کا مشہور قول ہے "من لم یرحل فلاثقة بعلمه" (جو شخص علم کے لیے سفر نہ کرے اس کے علم کا کوئی اعتبار نہیں) معروف حافظِ حدیث، علم رجال کے عظیم ناقد امام یحیی بن معین رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان ہے کہ "اس شخص کے اندر کسی قسم کی خیر اور نفع نہیں پاؤ گے جو صرف اپنے شہر اور علاقہ کے علوم پر اکتفا کیے بیٹھا رہتا ہو اور دوسرے علاقوں اور ملکوں کا رُخ نہ کرتا ہو۔

اسلام نے جس قدر علم اور طلبِ علم کی اہمیت کو اُجاگر کیا ہے اُس کے پیش نظر "رحلہ" یا "علمی اَسفار" کی اہمیت بھی اُتنی بڑھ گئی ہے، یہی وجہ ہے کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانے ہی سے یہ سلسلہ جو چلا آج تک قائم و دائم ہے، جہاں کہیں علم کا چرچا ہوا وہاں تشنگانِ علم پروانہ وار پہنچے، ان کے رستے میں غربت حائل ہوئی نہ اپنے گھر کی آسائش، سمندر رکاوٹ بنے نہ پہاڑ، دوری باطولِ مسافت سے گھبرائے نہ فراقِ دیار واحباب سے۔ غرضیکہ اقصیٰ شرق سے اقصیٰ غرب تک سفر کر کے دولتِ علم سے مالامال ہو کر لوٹے۔

ان اسفار میں کیسے کیسے عظیم، محیر العقول اور دہشتناک واقعات پیش آتے تھے، لیکن بمصداق:

نوا را تلخ تر می زن چوں ذوقِ نغمہ کم یابی
خدی را تیز تر می خواں چوں محمل را گراں بینی

ان کے راہورِ شوق کے نشاط میں، مزید اضافہ ہو جاتا، لگن اور تڑپ زیادہ ہو جاتی، اسی ذوق و شوق ہمت و محنت اور اخلاص کا نتیجہ ہوتا تھا کہ علم و فضل اور زہد و ورع کے عظیم ذخائر حاصل کر کے لوٹتے تھے۔

عالمِ اسلام کے اولین مرکز "صفہ" جس کے بانی محمد رسول ﷺ تھے، ان کے ہاتھوں سے تربیت پاکر جو حضرات میدانِ علم و عمل میں نکلے انھوں نے قلیل عرصہ میں سینکڑوں بلکہ ہزاروں "صفے" قائم کر دیئے جو جہاں پہنچا مستقل مرکز علم بن گیا۔

ان مراکزِ علم کا سلسلہ "صفہ" سے جو شروع ہوا آج تک جاری و ساری ہے، اہلِ اسلام نے اس سنت کو بھی اسی طرح زندہ رکھا ہے جس طرح دوسری سنتوں کو سینے سے لگائے بیٹھے ہیں، جس کا ایک نمونہ نعیمیؒ (متوفی ۹۲۷ھ) کی "الدارس فی تاریخ المدارس" میں دیکھا جاسکتا ہے۔

برصغیر میں آخری دور میں انگریزوں کے تسلط اور ان کے ساتھ علمی پیکار میں اہلِ حق کا جو عظیم کردار رہا وہ سرفروشی و جانبازی کی تاریخ میں ایک اچھوتا اور نیا باب ہے، انگریزوں کی مکاری اور اپنوں کی غداری کے نتیجہ میں جو حالات سامنے آئے ان حالات میں اسلام اور اہلِ اسلام کی حفاظت و صیانت کے لیے ایک ایسے مرکز کی ضرورت محسوس ہوئی جہاں جہاد کی روح کو بیدار رکھ کر علم و عمل کے اسلحہ سے مسلح افراد تیار ہو سکیں، چنانچہ نامساعد حالات میں محمدی مدرسہ "صفہ" کے سلسلہ میں ایک کڑی کا اضافہ ہوا جس نے آگے جاکر "ازہر ہند" اور ایک عالمی یونی ورسٹی کی حیثیت حاصل کر لی۔

اس مرکزِ علم کی طرف اس وقت کے غیر منقسم ہندوستان میں تشنگانِ علوم کا جو تانتا بندھا آج تک جاری و ساری ہے۔ دور دراز کے ایسے ایسے ممالک اور شہروں سے وہاں طلبہ کا ورود ہوا جہاں سے عام حالات میں سفر کر کے "دیوبند" جیسی چھوٹی گمنام بستی تک پہنچنے کا تصور تک نہیں ہوتا تھا، لیکن بالہامِ خداوندی چند نفوسِ قدسیہ نے جس "شجرۂ طیبہ" کی داغ بیل دیوبند میں ڈالی، آج اس کے برگ و بار سے صرف

عالمِ اسلام ہی نہیں، دیارِ غیر کے بے شمار لوگ مستفید ہوئے، وہاں کے طلبہ علمی پیاس لے کر آئے اور "منبع علم وعرفان" سے سیراب ہو کر گئے اور اپنے اپنے علاقوں میں منارہ ہائے نور بن کر خلقِ خدا کی ہدایت کا ذریعہ بنے۔

"دیوبند" کے اس علمی مرکز سے وہ صرف "علم" کی روشنی ہی سے فیض یاب نہیں ہوئے بلکہ "عمل" اور "خدمتِ اسلام" کا جذبہ بے کراں بھی اپنے ساتھ لے کر گئے، یہ سب فضلِ خداوندی کا کرشمہ تھا اور پھر ان نفوسِ قدسیہ کے اخلاص ومحنت کا ثمر، جن کے پیش نظر صرف "علمی نظریہ" پیش کرنا ہی نہیں تھا بلکہ اس کے ساتھ ساتھ "علمی نمونہ" اور امت کے سامنے حضرات انبیاءِ کرام اور سلفِ امت کا "اسوۂ حسنہ" بھی پیش کرنا مقصود تھا، چنانچہ اس آخری دور میں دیوبند کے اس مرکز کو پورے عالمِ اسلام کا سب سے جامع ترین مرکز علم کہا جائے تو ہرگز مبالغہ نہیں ہوگا۔

اسی اخلاص، سچائی، لگن، محنت اور سب سے بڑھ کر اُمّت کے لیے جذبۂ خیر خواہی ہی کا اثر ہے کہ طالبینِ علوم نبوت کا سلسلہ جو ابتداءِ تاسیس سے شروع ہوا تھا اس میں روز بروز اضافہ ہی ہوا، کمی کسی وقت نہیں آئی۔ "دیوبند" نے جو علماء، فقہاء، محدثین اور قائدین پیدا کیے انھوں نے ملتِ اسلامیہ کی ہمہ جہاتی خدمت کی، آج عالمِ اسلام کی تاریخ مرتب کرنے والے دیوبند اور اہلِ دیوبند سے کنی کترا کر کبھی کوئی "تاریخ" مرتب نہیں کر سکتے، علماءِ دیوبند کی خدمات بفضل اللہ تعالیٰ آج "شجرة طيبة أصلها ثابت وفرعها فى السماء" (اس شجرۂ طیبہ کی طرح جس کی جڑ مضبوطی سے جمی ہوئی اور شاخیں آسمان تک پہنچی ہوئی ہیں) کی مصداق ہیں، کیونکہ علمائے دیوبند جہاں جہاں گئے وہاں اسی قسم کے مراکز قائم کرتے چلے گئے۔

۱۹۴۷ء میں پاکستان معرضِ وجود میں آیا، معاً اس سرزمین میں اہلِ علم کی کھیپ بھی پہنچ گئی، حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب کامل پوری، حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی، حضرت مولانا بدر عالم صاحب میرٹھی، حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی، حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی، حضرت مولانا اشفاق الرحمٰن صاحب کاندھلوی، حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوری، حضرت مولانا احتشام الحق صاحب تھانوی، حضرت مولانا محمد ادریس صاحب میرٹھی (رحمہم اللہ تعالیٰ ونقد مراقدھم) اور حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب دامت برکاتہم جیسے بیسیوں آفتابِ علم وہدایت سرزمینِ پاکستان پر آکر طلوع ہوئے اور وہی "رودِ کوثر" یہاں بھی جاری ہو گئی جو "دیوبند" کی سرزمین سے چلی، جس کو محمدی مدرسہ "صفہ" سے استمداد واستفاضہ کی سعادت حاصل رہی۔

نوزائیدہ مملکت پاکستان "اسلام" کے نام پر مسلمانوں کے واسطے وجود میں آیا تو عالمِ اسلام میں خوشی کی لہر دوڑ گئی، طالبانِ علوم نبوت کی مسرت وانبساط میں اضافہ ہو گیا کہ اب ہمیں ہندوستان کے علمی مرکز کے علاوہ پاکستان میں بھی علمی پیاس بجھانے کا موقع ملے گا۔

پھر کیا تھا!! طلبۂ علومِ دینیہ فوج در فوج پاکستان کے دینی مدارس کی طرف آنے لگے، ادھر حضرات علماءِ کرام نائبینِ رسول کریم ﷺ نے "مرحبا بوصاة رسول الله ﷺ" کہتے ہوئے اپنے دامنِ شفقت وا کر دیئے، حالات کی ناسازگاری اور وسائل کی نایابی وکمیابی کی پروا کیے بغیر آنے والے مہمانانِ رسول کی خاطر مدارات، ان کی تعلیم وتثقیف اور دینی تربیت میں ہمہ تن مصروف ہو گئے، ان میں سے ہر ایک فرد مادی منافع سے قطع نظر کر کے صرف رضائے خداوندی کی خاطر وہ عظیم الشان خدمات انجام دینے لگا جو آج حکومت کے زیر نگرانی چلنے والی جامعات میں بڑی بڑی تنخواہوں اور مراعات کے انبار کے باوجود حاصل نہیں ہو پا رہیں۔

اگر غور کیا جائے۔ راقم الحروف کی بیرونی ممالک کے مختلف طلبہ سے گفتگو سے یہ بات خوب واضح ہو کر سامنے بھی آئی۔ تو معلوم ہوگا کہ آج بیرونی ممالک سے آنے والے طلبہ کی کشش پاکستان کے دینی مدارس کی طرف اس لیے ہے کہ:

(الف) پاکستان کے دینی مدارس کا ماحول ہر قسم کی آلودگیوں سے پاک ہے جہاں دن رات میں سے شاید ہی کوئی لمحہ ایسا گزرتا ہو جس میں طلبہ حصولِ علم یا عبادت میں نہ لگے ہوئے ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ طلبہ یہاں سے جب فارغ ہو کر جاتے ہیں تو مکمل اسلامی سانچہ میں

ڈھل کر جاتے ہیں۔

(ب) پاکستان کے دینی مدارس میں قوم، قبیلہ، ذات پات یا رنگ و نسل کی کوئی تفریق نہیں بلکہ باہر سے آنے والے طلبہ کے لیے کوئی خاص معتد بہ شرط بھی نہیں، جب کہ دیگر ممالک میں مختلف قسم کی ایسی شروط ہیں جن پر اُترنا عام طلبہ کے لیے مشکل بلکہ بسااوقات ناممکن ہو جاتا ہے۔

(ج) ایک وجہ جو نہایت ہی اہم اور بنیادی ہے وہ یہ کہ پاکستان کے دینی مدارس کے اصحابِ انتظام یا تو وہ حضرات ہیں جو براہِ راست دیوبند کے مرکز علمی سے فیض یافتہ ہیں اور یا ان فیض یافتوں سے تربیت یافتہ ہیں، ان میں اپنے اسلاف کا جذبہ خیر خواہی بہمہ وجوہ منتقل ہوا، اسی جذبۂ بیکراں کا اظہار وہ اپنے تمام طلبہ بالخصوص بیرونی طلبہ کے ساتھ کرتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ہر طالب علم یہاں سے صرف علم و عمل کا جذبہ ہی نہیں لے کر جاتا بلکہ میدانِ عمل میں مکمل نمونہ اور اُسوہ بن کر جاتا ہے۔

(د) علمی افادہ واستفادہ کی ایک اہم کڑی جو آج کل کی عصری تعلیم گاہوں میں بالکل مفقود ہے، وہ ہے استاذ و شاگرد کے درمیان باہمی ربط و تعلق، دینی مدارس کے اندر بحمداللہ آج بھی یہ وصف بتمام و کمال موجود ہے، شاگرد کا استاذ کے ساتھ تعلق دیدنی ہوتا ہے اور استاذ کی طالب علم کے ساتھ خیر خواہی کا جذبہ حد سے زیادہ ہوتا ہے۔

اسی جذبۂ خیر خواہی اور ربطِ باہمی کے اثرات و نتائج ہوتے ہیں کہ بیرونی طلبہ اپنے اداروں، اساتذہ اور مملکت پاکستان کے احسانات کبھی فراموش نہیں کرتے اور جب کبھی انھیں کسی بھی حیثیت سے کردار ادا کرنے کی ضرورت پڑتی ہے تو وہ کسی قسم کی قربانی سے دریغ نہیں کرتے۔

(ھ) بیرونی ممالک میں یہ تاثر ہے کہ پاکستان ایک اسلامی فلاحی مملکت ہے، اسلام اور اہلِ اسلام، علم اور اہلِ علم کی یہاں قدر ہے۔ خاص طور پر علومِ دینیہ کے سلسلہ میں حکومت نہ صرف یہ کہ رُکاوٹ نہیں ڈالتی بلکہ حوصلہ افزائی بھی کرتی ہے۔

اس تاثر کے عوامل کیا ہیں؟ غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ یہ ہماری حکومتوں کے سفارتی کارندوں کا کردار نہیں ہے، بلکہ یہاں جان جوکھوں میں ڈال کر علم و عمل کی دولت سے بہرہ ور ہو کر جانے والے حضرات کی مملکتِ پاکستان کی بے لوث سفارتکاری اور نمائندگی کا نتیجہ ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ یہاں سے جو طلبہ علومِ دینیہ حاصل کر کے اپنے اپنے علاقوں میں جاتے ہیں وہاں اُن میں سے ہر فرد ایک مستقل سفیر ہوتا ہے اور عوام کی سطح پر وہ کارنامے انجام دیتا ہے جو ہمارے سرکاری سفارتی نمائندے انجام دیتے ہیں نہ وہ ایسی چیزوں کے بارے میں سوچتے ہیں۔

یہاں نامناسب نہیں ہوگا اگر یہ ذکر کر دیا جائے کہ ایک طرف تو ان بیرونی طلبہ کے احساسات اور ان کے کردار کا یہ حال ہے کہ وہ ہمہ وقت ہر قسم کی قربانی دینے کے لیے تیار رہتے ہیں، دوسری طرف ہماری حکومتوں کا رویہ ہے کہ ان مہمانانِ رسول کو تنگ کرنے کا ایک لامتناہی سلسلہ ہے، کالج اور یونی ورسٹیاں جو قوم کے نوجوانوں کی قتل گاہیں بنی ہوئی ہیں وہاں تو ہر قسم کی مراعات ہیں لیکن دین اور علوم دین کے لیے آنے والوں کا ناطقہ بند کیا جارہا ہے، ان کو خوف و ہراس میں مبتلا کیا جارہا ہے، یا تو ویزے جاری نہیں کیے جاتے اور جاری کیے بھی جاتے ہیں تو ہزار جتن کر کے، پھر ویزے مل جائیں تو توسیع کے لیے ہمہ وقتی پریشانی۔

اربابِ اختیار کو سمجھ لینا چاہیے کہ اہلِ دین کی دشمنی کی بڑی بھاری قیمت ادا کرنی پڑتی ہے، حدیثِ قدسی ہے "من عادی ألی ولیافقدآذنته بالحرب" (جو شخص میرے کسی دوست کے ساتھ دشمنی کرے گا اس کے ساتھ میرا اعلانِ جنگ ہے)۔

ان مہمانانِ رسول کا تو انشاء اللہ دشمنانِ دین بال بھی بیکا نہ کر سکیں گے البتہ اپنی عاقبت برباد کرنے کا سارا سامان خود اپنے ہاتھوں فراہم کر رہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہمارے اربابِ اختیار کو عقل و خرد کا کچھ حصہ عطا فرمادے کہ ان کی آنکھیں کھل سکیں اور بھلے بُرے میں کچھ تمیز کر سکیں۔

☆☆☆